دکھ میں صبر کرنے والوں کے لئے الٰہی خوشخبری

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم نومبر ۱۹۸۵ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۸﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۹﴾ (الاحزاب:۴۸-۴۹)

پھر فرمایا:

ان آیات میں اللہ تعالیٰ حضرت اقدس سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوکر فرماتا ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا کہ اے محمدؐ! تو مومنوں کو یہ بشارت دے دے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت ہی بڑے فضل مقدر ہیں وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور کافروں کی اطاعت مت کر اور منافقین کی اطاعت مت کر اور ان کے ان کی ایذا رسانی کو چھوڑ دے یعنی اس سے صرفِ نظر فرما اور اللہ پر توکل رکھ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ بہترین وکیل ہے جس پر توکل کیا جائے۔

یہاں وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ کا مضمون تو یہ بتا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عظیم خوشخبریاں ہیں جو مومنوں کو دی جارہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت ہی بڑے فضل آنے والے ہیں لیکن ان خوشخبریوں کا زمانہ یہ ہے کہ منافقین کی طرف سے اور کافروں کی طرف سے

شدید ایذا رسانی ہو رہی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو خوشخبری دینے والا ہو اس کو مخاطب کر کے یہ کیوں فرمایا کہ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ کہ تو کافروں کی اطاعت مت کر۔ خوش خبری پہلے رکھی گئی اور کافروں کی اطاعت کا مضمون بعد میں باندھا گیا۔ پہلے فرمایا کہ اے محمدؐ! تو حوصلے دلا، مومنوں کو تسلیاں دے، ان سے وعدے کر، ان کے دل بڑھا اور ان کو بتا دے کہ خدا کی طرف سے عظیم الشان بشارتیں نازل ہونے والی ہیں، فضل نازل ہونے والے ہیں اور دوسری طرف یہ فرمانا کہ تو کافروں اور منافقوں کے پیچھے مت چل اور ان کی ایذا رسانی کو نظر انداز فرما دے اور اللہ پہ توکل رکھ ان دونوں باتوں کا جوڑ کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ بارہا سلسلہ (احمدیہ) کی تفاسیر میں یہ امر وضاحت کے ساتھ موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب مخاطب کیا جاتا ہے تو اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذاتِ خود مخاطب ہوتے ہیں اور وہ پہلو وہ ہے جہاں بڑے مراتب کا بیان ہوتا ہے بہت ہی عظیم الشان مراتب کا بیان ہوتا ہے تو حضور اقدس کو واحد میں مخاطب فرمایا جاتا ہے اور اس سے یہ پیغام مومنوں کو دینا مقصود ہوتا ہے کہ اتنے عظیم الشان نبی کے تم پیرو ہو، اتنے عظیم الشان مرشد اور آقا کا دامن تم نے پکڑ لیا ہے اس لئے تمہیں بھی اس کے مطابق جانچا جائے گا، اتنی بڑی بلندیاں تمہارے لئے کھلی ہیں اگر ایسے ہی اعمال کر کے دکھاؤ گے یا متابعت میں اپنی طرف سے پوری جدوجہد کرو گے تو تمہارے لئے عظیم الشان اور لا انتہا مراتب سامنے تمہیں کھڑے دعوت دے رہے ہیں۔ پس تحریص کے طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامنے رکھ کر مومنوں کو ان عظیم الشان مرتبوں کی خبر دی جاتی ہے جو اس عظیم الشان رسول کی پیروی سے نصیب ہو سکتے ہیں۔

دوسری جگہ واحد کے صیغہ میں مخاطب فرماتے ہوئے بظاہر بڑی سخت تنبیہ کا مضمون ہے اور ایک سے زائد مرتبہ قرآن کریم میں یہ طریق موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ ایک ذرّہ بھی اگر اپنے موقف سے ہٹے تو نہ دین کے رہو گے نہ دنیا کے رہو گے اور خدا کی طرف سے شدید عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے۔ اب یہ بات تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایان شان نظر نہیں آتی مگر دراصل یہ پیغام کمزوروں کے لئے ہے۔ پہلا پیغام مضبوط مومنوں کے لئے ہے کہ تم نے ایک بہت عظیم الشان رسول کا دامن پکڑ لیا ہے اب خدا کے فضل سے تم بڑی بڑی ترقیات کرو گے

اور دوسرا پیغام کمزور دلوں کے لئے ہے کہ دیکھو میں اصول کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں کرتا۔سب سے زیادہ پیارا وجود جس کی خاطر کائنات کو پیدا کیا گیا اس سے بھی میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ میرے اصولی احکامات کی بڑی سختی سے پیروی کرے گا اور اگر اس معاملے میں میں رعایت نہیں کرتا تو تم جو پچھلے مقامات کے لوگ ہو جن کی حیثیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل پر کچھ بھی نہیں، ان کو میں کیوں نہیں پکڑوں گا۔تو اس رنگ میں تنبیہ کے مضمون کو بھی عروج پہ پہنچا دیا۔ایک طرف خوش خبریوں کے مضمون کو ثریا سے بالا کر دیا اور ایک طرف تنبیہ کے مضمون کو بھی انتہاء تک پہنچا دیا۔ یہ قرآن کریم کا طرز کلام ہے اور اسی طرز کلام میں یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب فرمایا گیا ہے۔

پہلی آیت میں وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا میں تو تسلی ہے کہ یہ رات ٹل جائے گی اور دکھ دور ہو جائیں گے،تم فکر نہ کرو خدا کی طرف سے عظیم بشارتیں تمہارے لئے مقدر ہیں اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب فرما کر یہ کہنا کہ کافروں کی اطاعت نہ کرو ہرگز یہ مرادنہیں کہ **نعوذ باللہ من ذلک** آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی دور کا بھی غیروں کی اطاعت کا امکان تھا اور اس بات کی نفی پہلی آیت ہی کر رہی ہے،مضمون کی ترتیب بتا رہی ہے کہ جس شخص سے یہ احتمال ہو کہ وہ غیر اللہ کی اطاعت کرے گا اس کو خوشخبریاں دینے کے لئے تو خدا کھڑا نہیں کر سکتا،عظیم بشارتیں دینے کے لئے تو اس کو مقرر نہیں فرما سکتا۔تو پہلی آیت نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر جو احتمال پیدا ہوتا تھا الزام کا اس کی کلیۃً نفی فرما دی اور آپؐ کے مقابل پر سپر بن کے کھڑی ہوگئی ہے اور بتا رہی ہے کہ یہ مضمون کمزوروں کے لئے ہے مخاطب حضور اقدس ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مگر مراد وہی ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا (بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث نمبر ۳۲۱۶) حالانکہ جتنی خواتین تھیں اس وقت ان میں اگر کوئی ایک خاتون تھی جس کے لئے ہرگز کوئی امکان نہیں تھا چوری کا تو وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں خاتون جنت تھیں اور عظیم الشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے متعلق کے مقامات بیان فرمائے۔تو آپؐ کو حضرت فاطمہؓ کو یہ کہنا کہ اگر فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ

دیتا یہ بتا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بہت عظیم الشان مقام عدل ہے اور یہ مقام عدل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آقا اپنے کائنات کے مالک اور خالق خدا سے سیکھا تھا۔ خدا کا بھی ایک مقام عدل ہے اور یہ وہ مقام ہے جس سے سب سے زیادہ خوف کھانا چاہئے۔ اسی لئے انبیاء بھی جب اس مقام پر نظر کرتے ہیں تو بے حد گریہ وزاری کے ساتھ بخشش کے طالب ہوتے ہیں صرفِ نظر کے طالب ہوتے ہیں یہ عرض کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی نیکیوں پر کوئی گھمنڈ نہیں، تو جب مقام عدل پر فائز ہوگا تو ہم اس سے تیرا خوف کھاتے ہیں اور ہم ڈرتے ہیں اس لئے ہمیں معاف فرما ،صرف نظر ہمارے سے فرما، ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے رحم کا سلوک فرما۔

تو یہ وہ مقام عدل کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس خطرناک دور میں ہرگز کسی کمزور کے لئے کوئی سوال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ وہ منافقوں یا کافروں کی باتوں سے ڈر کر اپنے موقف میں کوئی کسی قسم کی تبدیلی پیدا کرلے کیونکہ یہ اگر ایسا کریں گے تو پھر ان کی ایذاء سے بچ کر خدا کی ایذاء میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ان کے عذاب سے بچ کر خدا کے عذاب کو اپنے اوپر لے لیں گے اور اس مضمون کو قرآن کریم نے دوسری جگہ خوب کھول کر بیان فرما دیا کہ خدا کی پکڑ، خدا کی ناراضگی، خدا کا عذاب، لوگوں کی پکڑ اور ان کی ناراضگی اور ان کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے۔ تو فرمایا دَعۡ اَذٰىهُمۡ وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ اللہ پر توکل رکھ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا اور جو بھی وکیل دنیا میں بنائے جاسکتے ہیں۔ یہاں وکیل وسیع معنوں میں استعمال ہونے والا لفظ ہے اس کا ایک معنی وہ ہے جس پر توکل کیا جائے جس پر کلیۃً انحصار کر دیا جائے۔ پس خدا تعالیٰ پر انحصار رکھو اور ان کی ایذا رسانی سے، ان کی تکلیف سے صرف نظر کرو۔

آج کل جو جماعت احمدیہ پر حالات گزر رہے ہیں وہ بعینہٖ یہی حالات ہیں۔ یہ وہ آیت نہیں ہے جو ایسے مجاہدہ کے وقت اطلاق پاتی ہو جبکہ دشمن سے مومنوں کی جماعت برسرپیکار ہو یہ مضمون یک طرفہ دکھوں کے زمانے کا مضمون ہے یہ مضمون ایسا ہے جبکہ ایک طرف سے حد سے زیادہ زیادتیاں ہو رہی ہیں اور دوسری طرف سے کامل خاموشی ہے۔ پس یہ مضمون درحقیقت مکی دور سے تعلق رکھنے والا مضمون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی میں ایک لمبا دور مکی دور بھی تھا تیرہ سال مسلسل بے انتہاء تکالیف میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے ماننے والے

گزرے اور مسلسل ایذا رسانی کے ساتھ کوئی امید کی کرن کی ظاہری شکل نظر نہیں آتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ رات کے بعد رات آتی چلی جاتی ہے۔ پھر رات کے بعد رات آتی چلی جاتی ہے اور وہ سورج کے طلوع کا وقفہ جو بیچ میں آجایا کرتا ہے جس سے رات کی تھکاوٹ دور ہوجاتی ہے بیماروں کے لئے وہ بیچ میں آتا ہی نہیں تھا۔ ایک دکھ کا سال دوسرے دکھ کے سال میں تبدیل ہوجایا کرتا تھا، شروع کے تین سال جس انتہائی تکلیف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گزارے اس کے بعد چوتھے سال میں داخل ہوئے تو شعب ابی طالب میں آپؐ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو قید کر دیا گیا، وہاں سے نکلے تو پھر سارے قبائل کی طرف سے تمام مسلمانوں کو شدید اذیتیں دی گئیں، بہت ہی خطرناک چالیں تھیں جو آپؐ کے اور آپؐ کے ماننے والوں کے خلاف چلی گئیں مگر سب سے زیادہ تکلیف کی حالت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے ہیں کیونکہ آپؐ کو جو دکھ دیا جاتا تھا اس سے بہت بڑھ کر آپؐ کو ان کی تکلیف ہوتی تھی جن کو آپؐ کی وجہ سے دکھ دیا جا رہا تھا اور ان کو بچا نہیں سکتے تھے، کچھ کر نہیں سکتے تھے۔

انتہائی دردناک دور تھا اور عجیب بات ہے کہ اس دور میں مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ کی آواز بھی اس وقت نہیں اٹھی ہے۔ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ کی آواز بھی مدنی دور میں اٹھی ہے وہ دور کامل صبر اور توکل کا دور تھا۔ آپ قرآن کریم پر نظر ڈالیں اور قرآن کریم کی آیات کا تاریخ اسلام سے جہاں تک تعلق ہے اُس پر نگاہ دوڑائیں تو آپ حیران ہوں گے یہ دیکھ کر کہ مکی دور میں مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ کی آواز بھی بلند نہیں کی جاتی تھی۔ انتہائی صبر کا دور تھا، انتہائی خاموشی کا دور تھا لیکن توکل تھا کہ چٹان کی طرح تھا غیر متزلزل، کوئی اس میں رخنہ نہیں پڑا۔ مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی ان تکلیفوں کے زمانہ سے گزرے ہیں اور کسی نے اپنے خدا پر بدظنی نہیں کی کہ کیا ہوگیا، اتنی دیر ہوگئی تکلیفوں کو ابھی تک یہ بدبخت کیوں مارے نہیں جاتے۔ بعض کمزور آدمی، بعض کمزور کہنا بھی ضروری نہیں بعض لوگ بے چارے اعصاب کے لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں ان معنوں میں کمزور کہہ رہا ہوں جلدی تھک جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ایسے ظالم کو خدا نے کیوں نہیں پکڑا، ویسے ظالم کو خدا نے کیوں نہیں پکڑا، کیوں خدا کی غیرت جوش میں نہیں آتی، کیوں اتنی دیر ہوگئی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں پڑ رہی ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آقا

اور ہم سب کے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی محبت کے صدقے ہم سب کو خدا کی محبت نصیب ہوتی ہے آپؐ کو تیرہ سال مسلسل مکہ میں گالیاں دی گئیں ہیں، اس وقت یہ سوال کیوں نہیں اٹھایا گیا کہ خدا کی غیرت کہاں گئی ہے۔ ایسا دردناک دور ہے کہ اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ گلیوں میں چلتے پھرتے آپؐ کو گالیاں دی جاتی تھیں، آپؐ کے پیچھے غنڈے لگا دیئے جاتے تھے، ہمسایوں کی طرف سے گالیاں پڑتی تھیں گھر میں پتھر پھینکے جاتے تھے، گندگی پھینکی جاتی تھی اور آنحضرت ﷺ نہایت خاموشی سے ان چیزوں کو برداشت فرما رہے تھے۔

ایک موقع پر آپؐ کے گھر میں ایسی گندی غلاظت پھینکی گئی کہ اس کی بدبو سے سارا علاقہ متعفن ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اٹھا کر اُس کو باہر پھینکنے کے لئے آئے اور صرف اتنا فرمایا کہ یہ ہمسائیگی کا حق تم لوگ ادا کر رہے ہو اس کے سوا کوئی لفظ نہیں کہا۔ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ گزر رہے تھے تو آپؐ کے سر پر کسی بدبخت نے گھر کا کوڑا کرکٹ پھینک دیا۔ ایک لفظ بھی آپؐ نے زبان سے نہیں نکالا، کوئی شکوہ نہیں کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق آتا ہے کہ آپ نے یہ دیکھا تو بے اختیار رونے لگیں سر دھوتی جاتی تھیں صاف کرتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی کہ فاطمہؓ رومت اللہ تعالیٰ اس زمانہ کو بدل دے گا یہ زمانہ اس طرح نہیں رہے گا۔

یہ وہ دور صبر اور توکل ہے جو آپ جب تاریخ میں دیکھتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آناً فاناً گزر گیا تیرہ سالہ مکی، کیا فرق پڑتا ہے قوموں کی زندگی میں؟ اس کے بعد پھر جہاد کا دور ہے پھر فتح کا دور ہے اور فتح کے دور کا زمانہ بالکل ہی مختصر نظر آتا ہے بظاہر۔ اور جب آپ گزرتے ہیں ان حالات میں سے تو پھر شکوے شروع ہو جاتے ہیں پھر سوال اٹھنے لگ جاتے ہیں کہ اے خدا! تیری غیرت کہاں گئی؟ کیا محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی بڑھ کر خدا کسی کے لئے غیرت دکھائے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ تکلیف کا دور جب انسان اس میں سے گزر رہا ہوتا ہے تو لمبا دکھائی دیتا ہے اور جب مڑ کے اس کو دیکھتا ہے تو چھوٹا دکھائی دیتا ہے یہ چیز کوئی ایمانیات سے تعلق رکھنے والی بات نہیں ہے۔ ایک ایسا مضمون ہے جو روزمرہ ہماری زندگی میں ہمارے تجربے میں نظر آتا ہے واقعات میں ہماری ذات پر سے گزر جاتے ہیں اور ہر انسان کا ردعمل یہی ہے یہ انسانی فطرت ہے۔ تھوڑی سی تکلیف آپ کو سفر

میں پہنچے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ تکلیف کا زمانہ ختم ہی نہیں ہوگا ، ایک عذاب محسوس ہوتا ہے اور جب وہ گزر جاتی ہے تو پھر ہنس ہنس کر ان باتوں کو یاد کرتے ہیں کہ یہ وقت بھی گزر رہا تھا اور عجیب بات ہے کہ دیر کے بعد جب آپ مڑ کے دیکھتے ہیں تو جو خوشی کا زمانہ تھا وہ چھوٹا نظر آتا ہے اور جو غم کا زمانہ تھا وہ لمبا دکھائی دیتا ہے۔ جو خوشی کا زمانہ تھا اس کی یاد میں روتے ہیں اور جو غم کا زمانہ تھا اس کی یاد میں ہنستے ہیں بالکل الٹ بات پیدا ہو جاتی ہے۔ تو تاریخ ہمارے زاویہ نظر کو بدلا دیتی ہے بلکہ بالکل الٹا دیتی ہے۔ پس تاریخ پڑھتے ہوئے جو باتیں آپ محسوس کرتے ہیں وہ اور طرح محسوس کرتے ہیں اور جب ان حالات میں سے خود گزرتے ہیں تو ان باتوں کو اور طرح محسوس کرتے ہیں۔

پس یہ ایک سال یا دو سال یا تین سال جتنی بھی خدا کی تقدیر ہے اس پر راضی رہیں اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سے صبر سیکھیں آپ کا نمونہ پکڑیں اور توکل کریں۔ بالکل یہی الہام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ہوا ہے اور اس کیفیت میں ہوا ہے جب آپ نے اپنے آپ کو حضرت علیؓ کے طور پر دیکھا (تذکرہ صفحہ:۱۶۹) اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت رابعہ میں ایسا زمانہ آنے والا تھا کیونکہ یہ حضرت مسیح موعود کا ہی زمانہ ہے۔ آپ کو حضرت علیؓ کی صورت میں دکھایا جانا اور پھر یہ الہام ہونا بتاتا ہے کہ آپ کو یہ خبر دی گئی تھی کہ تمہارے زمانے میں جب چوتھی خلافت ہوگی پھر اس قسم کے حالات ہوں گے اور لازماً تم لوگوں کو صبر کرنا پڑے گا اور لازماً توکل سے کام لینا ہوگا اور اگر ایسا کرو گے وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا پھر تم اللہ تعالیٰ کو بہترین وکیل پاؤ گے۔ اس سے بہتر کوئی ذات نہیں ہے جس پر توکل کیا جا سکے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو خوشخبری ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا کہ اے محمدؐ! ان مومنوں کو خوشخبری دے دے ان کے لئے بہت ہی عظیم فضل خدا تعالیٰ کے ہاں مقدر ہے۔

پس وہ خوش خبری جو حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین کو دی تھی وہی آپؐ کے غلام صادق آپؐ کے کامل غلام اور روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے خدا تعالیٰ نے آپ کو بھی دی ہے اور وہ خوشخبری میں آپ کو پہنچاتا ہوں کہ صبر کرنے والوں کا صبر کبھی ضائع نہیں جائے گا۔ توکل کرنے والے اپنے خدا کو بہترین وکیل پائیں گے۔ پس ہمت اور حوصلہ اور صبر اور توکل اور دعاؤں کے ساتھ اس وقت کو کاٹیں اور یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو

بشارتیں آپ کے حق میں مقدر فرمائی ہیں وہ ضرور پوری ہوں گی اور فضل کبیر آپ کا منتظر ہے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

یہ چونکہ سردیوں میں دن بھی چھوٹے ہو جاتے ہیں اور جمعہ کی وجہ سے ویسے بھی وقت تنگ ہو جاتا ہے یعنی خطبہ کے بعد جمعہ کی نماز پڑھنی پڑتی ہے تو بالکل عصر سے مل جاتی ہے اس لئے سال سابق کی طرح اس سال بھی جب تک اس قسم کا وقت رہے گا یعنی دن چھوٹے اور جمعے، ان میں ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کی جایا کرے گی تو آج بھی نماز جمعہ کے بعد انشاء اللہ عصر کی نماز اسی وقت ساتھ جمع کی جائے گی۔